اسلام اور ضبطِ ولادت

ڈاکٹر عبد الواحد جامعہ مدنیہ

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونتوکل علیہ۔ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔ ونشہد ان لا الٰہ الا اللہ ونشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ وصلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔ اما بعد: فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم وما من دآبۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا ویعلم مستقرھا ومستودعہا الآیۃ نحن نرزقک الخ الآیۃ

اس مضمون میں ہم چند عنوانات کے تحت گفتگو کریں گے۔ اول نظریات آبادی اور ان کا تنقیدی جائزہ دوئم ضبط ولادت کے حق میں دیگر پہلوؤں سے دلائل اور ان کا تجزیہ سوم تاریخ تحریک ضبط ولادت چہارم ضبط ولادت کی شرعی حیثیت۔

نظریات آبادی اور ان کا تنقیدی جائزہ

اگرچہ معاشیات آبادی کی کفالت کرتی ہے لیکن آبادی بھی ایک اعتبار سے معاشیات کے لیے کفیل ہے۔ ایک طرف اگر معاشیات کا مقصد لوگوں کی متاع وخدمات کی ضرورتوں کی بہم رسانی ہے تو دوسری طرف لوگ بھی معاشیات کی پیداواری گنجائش میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے نظریہ معاشیات میں آبادی کے رجحانات کے مطالعہ کو اہم مقام حاصل ہے۔ دو معروف

تظریات یہ ہیں ۔ نظریہ مالتھس اور مناسب ترین آبادی کا نظریہ ۔

نظریہ مالتھس MALTHUSIAN THEORY

ٹامس رابرٹ مالتھس نے ۱۷۹۸ء میں اپنا ایک مضمون Essay On Principle of Population (قانون آبادی پر مقالہ) لکھا اور ۱۸۰۳ء میں اس کے طبع جدید کے وقت اپنے نتائج میں کچھ ترمیم بھی کی ۔ انگلستان کی انتہائی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی اور Poor Law نے اس کو بہت رنجیدہ کیا اور اس کو اندیشہ ہوا کہ انگلستان تباہی کی طرف بڑھ رہا ہے تو اس نے اپنے ہموطنوں کو اس سے آگاہ کرنا اپنا فرض سمجھا ۔ اسکا نظریہ مندرجہ ذیل چار نکات پر مشتمل ہے ۔

۱ ۔ غذا حیات انسانی کے لیے لابدی ہے اور اس لیے آبادی پر ایک مضبوط رکاوٹ عائد کرتی ہے ۔ بالفاظ دیگر آبادی کی تحدید کا دارومدار ذرائع غذا پر ہے یعنی جتنی زیادہ غذائی پیداوار ہوگی اتنی ہی زیادہ تعداد میں آبادی کی کفالت ہو سکتی ہے جب کہ افلاس اور تنگی غذا کے باعث اموات زیادہ سے زیادہ ممکنہ تعداد آبادی کو محدود کرتی ہیں ۔

۲ ۔ انسانی آبادی کے بڑھنے کی رفتار غذائی پیداوار کی رفتار سے زیادہ ہے ۔ آبادی (Geometric ratio ۔) سے بڑھتی ہے جب کہ غذائی پیداوار میں اضافہ (Airthenatic ratio) سے ہوتا ہے ۔ مالتھس کا خیال تھا کہ قانون تقلیل[2]

---

[1] MODERN ECONOMIC THEORY By K.K. DEWETT

[2] مارشل نے اس قانون کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے " شعبہ زراعت میں اگر کاشت کرتے وقت محنت اور سرمایہ کی اکائیاں کسی خاص تناسب سے بڑھاتے جائیں تو زمین کی پیداوار میں اضافہ اس تناسب سے کم ہوگا بشرطیکہ فن کاشتکاری میں کوئی انقلاب نہ آئے ۔ ڈاکٹر مارشل کے بعد زمانہ جدید کے ماہرین معاشیات نے اس قانون کو عاملین پیدائش کے اشتراک کی بنا پر اس طرح واضح کیا ہے " جب ہم ایک معین عامل پیدائش (یعنی زمین کو ایک یا ایک سے زائد متغیر عاملین پیدائش (یعنی محنت اور سرمایہ) سے باہم ملادیں تو اس متغیر عامل پیدائش کی وجہ سے اوسط اور مختتم حاصل یا پیداوار خاص نقطے کے بعد کم ہونا شروع ہو جاتی ہے ۔

حاصل (Law of Diminshing Returns) زراعتی میدان نافذ ہے۔
اور قانون کا عمل غذائی رسد میں اضافہ پر تحدید کا باعث ہے۔ مالتھس خود لکھتا ہے:

اضافہ کی ان دو مختلف رفتاروں کو جب اکٹھا دیکھا جائے گا تو ضروری نتائج نہایت نمایاں ہوں گے۔ ہم اس جزیرے (انگلستان) کی آبادی گیارہ ملین مان لیتے ہیں اور فرض کیے لیتے ہیں کہ موجودہ پیداوار اس تعداد کے لیے کافی ہے۔ پہلے پچیس سال میں آبادی بائیس ملین ہوگی اور غذا بھی دوگنا ہو جائیگی۔ تو غذائی ذرائع اس اضافہ کے لیے کافی ہونگے۔ اگلے پچیس سالوں میں آبادی چوالیس ۴۴ ملین ہو جائیگی جب کہ غذائی ذرائع صرف اتنے ہونگے کہ تینتیس ۳۳ ملین کے لیے کافی ہوں اس سے اگلے ربع میں آبادی اٹھاسی ملین ہوگی جب کہ اس میں سے صرف نصف کے لیے غذا مہیا ہو سکے گی۔ اور ایک صدی پوری ہونے پر آبادی ایک سو چھہتر ۱۷۶ ملین ہوگی دراں حالیکہ ان میں سے صرف پچپن ملین افراد کو غذا مل سکے گی اور بقیہ ایک سو اکیس ۱۲۱ ملین افراد بغیر غذا کے رہ جائیں گے۔

پورے کرہ ارض کو مد نظر رکھیں اور موجود آبادی کو ہزار ۱۰۰۰ ملین فرض کرلیں تو نوع انسانی میں اضافہ ان اعداد پر ہوگا ۱۔ ۲۔ ۴۔ ۸۔ ۱۶۔ ۳۲۔ ۶۴۔ ۱۲۸۔ ۲۵۶ جب کہ غذا میں اضافہ ان اعداد پر ہوگا ۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ ۵۔ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ صدیوں میں غذا بس اتنی ہوگی کہ ہر دو سو چھپن افراد میں سے صرف نو ۹ کے لیے کافی ہو سکے گی اور تیسری صدی پر ہر چار سو چھیانوے افراد میں سے صرف تیرہ افراد کے لیے۔ اور دو ہزار سال میں یہ تفاوت اتنا زیادہ ہوگا کہ شمار سے باہر ہوگا۔

۳۔ غذائی ذرائع میں اضافہ کے ساتھ ساتھ آبادی میں اضافہ بھی ضرور ہوتا ہے الا یہ کہ ظاہر و قوی موانع رکاوٹ پیدا کریں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب کسی ملک کی غذائی رسد میں اضافہ ہوتا ہے تو لوگ زیادہ بچے پیدا کرتے ہیں اور زیادہ بڑے کنبے وجود میں آتے ہیں۔ اس کی وجہ سے غذا کی طلب میں اضافہ ہو جاتا ہے اور فی کس غذا کا حصول دوبارہ کم ہو جاتا ہے۔ پس مالتھس کے نزدیک

لوگوں کا معیار زندگی اس وقت تک مستقل طور پر بلند نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کنبہ کی تعداد پر کچھ پابندیاں اور حدیں قائم نہ کریں۔

مالتھس نے بتایا کہ دو قسم کے ممکنہ موانع ہیں جو آبادی میں اضافہ کو روکتے ہیں۔

انسدادی مانعات (Preventive Cheeks) ان کا اثر شرح پیدائش کو کم کرنے سے ہوتا ہے۔ بڑے کنبوں کی پریشانیوں کو دیکھ کر وہ عبرت حاصل کرتا ہے اور اس ڈر سے کہ کہیں خود اس میں مبتلا ہو کر وہ بچوں کو معیاری تعلیم اور خوراک مہیا نہ کر سکے ان انسدادی مانعات کو خود اختیار کرتا ہے۔ اس میں دیر سے شادی کرنا اور شادی کے بعد اپنے اوپر کچھ قدغنیں لگانا شامل ہیں۔

ایجابی مانعات Positive checks. شرح اموات کو بڑھا کر آبادی پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ برخلاف انسدادی مانعات کے یہ قدرت کی جانب سے ہوتے ہیں اور ان کا دائرہ بڑا وسیع ہے مثلاً بری عادتیں، غربت، غیر صحتمند پیشے، ناقص تربیت اطفال، وبائیں، جنگیں اور قحط۔

مالتھس کا مشورہ یہ تھا کہ آنے والے برے مستقبل سے بچنے کے لیے انسدادی مانعات کو اختیار کیا جائے کیونکہ بصورت دیگر ایجابی مانعات اپنا عمل شروع کر دیں گے جس کے نتیجے میں پھر اتنی ہی آبادی باقی رہ جائے گی جتنی کہ غذائی رسد کے مطابق ہو۔

اپنی کتاب کی پہلی طباعت میں مالتھس نے ایجابی مانعات پر بڑا زور دیا ہے لیکن اگلی طباعتوں میں اپنے نظریے کی اس سختی کو خود نرم کر دیا اور انسدادی مانعات کو نسبتاً زیادہ اہمیت دی اگرچہ بحیثیت مجموعی وہ اپنے مایوس کن نظریہ پر قائم رہا لوگوں میں جنسی شہوت کے قوی ہونے کی بنا پر مالتھس کو بڑی عمر میں شادی کرنے اور اپنی پابندیاں لگانے پر اعتماد نہ تھا۔ مزید برآں بعد میں مالتھس نے اضافہ کی Oithematic & Geometric Ratios کی تعبیر کو بھی ساقط کر دیا لیکن آبادی و غذا کا مسئلہ پھر بھی اسکی نظر میں برقرار رہا۔

ہم ایجابی اور انسدادی مانعات موجود ہیں جو کہ آبادی کو ذرائع بقا کی سطح پر رکھتے ہیں۔

مالتھس کے نظریے پر تنقید

۱۔ مالتھس کے مایوس کن نتائج کی مغربی یورپ کی تاریخ نے تصدیق نہیں کی۔ جب کہ آبادی میں اضافہ اس رفتار سے نہیں ہوا جس کی پیش گوئی مالتھس نے کی تھی غذائی رسد میں ٹیکنالوجی کی برق رفتار ترقی کی بدولت کئی گنا اضافہ ہوا ہے۔ اور اس بنا پر لوگوں کا معیار زندگی بجائے گرنے کے (جیسا کہ مالتھس کا خیال تھا) بلند ہوا ہے۔

۲۔ مالتھس کا نظریہ آبادی Law of Diminishing Returns (قانون تقلیل حاصل) پر مبنی ہے جیسا کہ اس کا اطلاق زراعت پر ہوتا ہے۔ اسی قانون کی بنا پر اس کو یقین تھا کہ غذائی پیداوار بڑھتی ہوئی آبادی کا ساتھ نہ دے سکے گی۔ لیکن ٹیکنالوجی کی ترقی اور سرمایہ کے وسیع استعمال سے پیداوار ممالک نے تقلیل حاصل کے مرحلے کو مؤخر کر دیا ہے مصنوعی کھاد بہتر بیج، ٹریکٹر اور دیگر زراعتی مشینوں کے استعمال سے پیداوار میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے اور اب حقیقت یہ ہے کہ بہت سے ترقی یافتہ ممالک میں غذائی پیداوار میں اضافہ کی رفتار آبادی میں اضافہ کی رفتار سے بہت زیادہ ہے۔

۳۔ مالتھس نے صرف غذائی پیداواریت کو ملحوظ نظر رکھا اور دولت کی پیداواریت کی دیگر تمام شکلوں کو نظر انداز کر دیا۔ انگلستان میں اراضی اور غذا کی قلت ضرور محسوس کی جاتی تھی لیکن مزعومہ مصائب کا تصور صرف اس وقت ممکن تھا جب کہ انگلستان کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لیے صرف وہیں کی اراضی سے حاصل شدہ غذا مہیا ہوتی اس کے برخلاف اس نے زمین کے علاوہ اپنے دیگر قدرتی وسائل مثلاً کوئلہ اور لوہے کو کام میں لاتے ہوئے مشینیں اور اوزار جہاز اور ریلیں وغیرہ بنا کر ان کو برآمد کیا اور ان کے عوض میں غذائی اجناس درآمد کیں جس کی بنا پر برطانیہ میں کوئی غذائی مسئلہ پیدا نہیں ہوا۔

۴۔ مالتھس کا خیال تھا کہ غذائی رسد میں اضافہ کی وجہ سے آبادی میں اضافہ اس تیزی

سے ہوگا کہ ہر فرد کو اپنی بقاء کے بقدر غذا حاصل ہو سکے گی۔ لیکن ہم دیکھ چکے ہیں کہ مغربی دنیا کے لوگوں کا معیار زندگی بہت زیادہ بلند ہو چکا ہے اور قوت لایموت کی سطح سے بہت اونچا ہے اور اس کے برعکس مغربی ممالک میں جوں جوں خوشحالی بڑھتی گئی بچوں کے بارے میں لوگوں کی سوچ بدلتی گئی۔ پہلے بچوں کی جانب زیادہ توجہ نہیں دی جاتی تھی لیکن اب معاملہ اس کے برعکس ہے اور والدین اس حد تک سوچتے ہیں کہ زیادہ بچے نہیں ہونے چاہئیں تاکہ جو بچے فی الحال ہیں ان پر پوری توجہ دی جا سکے۔ بچوں کی جانب رویے میں تبدیلی اور مانع حمل تدابیر کا اختیار کرنا مالتھس کے عقیدے کی نفی کرتا ہے۔

۵۔ مالتھس نے اگرچہ اپنی کتاب کی پچھلی طباعتوں میں آبادی و غذا میں اضافہ کی Geometric & Arithmetic شرحوں پر اصرار ترک کر دیا تھا لیکن اس نے اس شرح کے لیے کوئی دلیل بھی پیش نہیں کی تھی۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آبادی اور غذائی رسد میں اضافہ ان سلسلوں کے مطابق نہیں ہوتا۔

یہ بات بیجا نہ ہوگی بلکہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگی اگر ہم یہاں چند ماہرین معاشیات کے خیالات پیش کر دیں۔

کنگز لے ڈیوس (Kings Lev Davis) نے Scientific American میں آبادی میں اضافہ اور اس کے انجام کا اندازہ یوں ظاہر کیا:

ہم اب دیکھ سکتے ہیں کہ تمام جدید اقوام میں طویل المدت میلان قلت مرگ، نسبتاً تیز شرح ولادت اور آبادی میں آہستہ اضافہ کی طرف ہے۔ یہ ایک مستعد Demographic نظام ہے جو ان جیسے ممالک کو باوجود ان کی ترقی کے اس بات کا موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ معاشی میدان میں موثر رفتار کے ساتھ ترقی کرتے رہیں۔

کولن کلارک (Colin Clarke) قانون تکثیر حاصل Law of Increasing Returns

---

[1] Chapter 4 – THE GEOMETRY OF HUNGER By D.S. HALACY 1972

[2] اس قانون کی جو تعریف پروفیسر بنہم نے کی ہے وہ یوں ہے "جب عاملین پیدائش کے کسی مجموعہ میں سے کسی ایک عامل کا تناسب بڑھ جاتا ہے تو ایک خاص حد تک اس عامل کی پیداوار مختتم بڑھتی جاتی ہے۔"

کا حوالہ دیتے ہوئے بتاتا ہے کہ کسی قوم کا آبادی کے اعتبار سے چھوٹا رہ جانا یا چھوٹا ہو جانا حقیقت میں اس کے لیے تباہ کن ہے۔ فرانس نے اختیاری طور پر اپنی آبادی کو کم کیا جس سے اسی کو خود افسوس کرنا پڑا۔ اپنی کتاب "اضافہ آبادی اور استعمال اراضی **Population Growth,** & Land Use میں وہ رقمطراز ہے:

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ ۱۷۹۸ء میں جب کہ مالتھس آبادی کے اصولوں پر اپنی کتاب تصنیف کر رہا تھا اور جب کہ جینر نے ویکسین Vaccine تیار کی تھی (جس کا مغربی یورپ میں آبادی میں اضافہ سے تعلق کسی دوسری دریافت کی نسبت بہت زیادہ تھا) نپولین کامیابی کے ساتھ مصر پر یلغار کر رہا تھا اور فرانس تقریباً تمام دنیا کو سرنگوں کرنے کے قریب ہو گیا تھا۔ مالتھس کے اپنے ہم وطنوں نے اس کا اتباع بہت عرصے تک نہیں کیا البتہ فرانسیسیوں نے کیا اور اب ہر فرانسیسی کو اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ دنیا میں اس کے ملک کے اثر و رسوخ کے زوال کی بڑی وجہ آبادی میں اضافہ کی نسبتاً تھوڑی شرح تھی۔

Colin Clarke ابن خلدون کا حوالہ دیتا ہے جنہوں نے چودھویں صدی میں تحریر کیا۔

فرد اپنی ضروریات کو تنہا پورا نہیں کر سکتا اور اس کے لیے اس پر اپنے ابنائے جنس کے ساتھ تعاون لابدی ہے۔ غذا صرف ایک شخص کی کوششوں سے حاصل نہیں ہوتی اور نہ ہی ہر شخص اپنی ضرورت کی ہر چیز کو خود پیدا کر سکتا ہے۔ اس کی پیداوار میں چھ یا دس افراد مثلاً لوہار، بڑھئی، مزدور وغیرہ ایک دوسرے سے تعاون و اشتراک کرتے ہیں اور جب ایسا ہوتا ہے تو یہ مشترکہ طور پر اپنی ضروریات سے کہیں زائد پیداوار کی تحصیل کرتے ہیں۔ جب تمدن اسراف و تعیش کی حالت کو بمعہ انکی برائیوں کے پہنچ جاتا ہے تو آبادی پر خود بخود حدود عائد ہو جاتی ہیں۔ ایسے وقت میں تباہ کن قحط وقوع میں آتے ہیں البتہ یہ قحط اس وجہ سے نہیں ہوتے کہ زمین بڑھتی ہوئی طلب کا ساتھ نہیں دے سکتی بلکہ ان کا سبب سیاسی انتشار اور

محسوس جسمانی دباؤ ہوتا ہے جو کہ ریاست پر اس کے زمانہ زوال میں حاوی ہو جاتا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے ایلین ینگ Allyn Young نے ملک کو صنعتی بنانے کے لیے کثیر آبادی کے مفید ہونے پر دلائل دیے ہیں اور یہ تجویز رکھی ہے کہ انگلستان کی آبادی سو ملین ہونی چاہیئے جو کہ موجودہ آبادی کا دوگنا ہے۔

۱۹۵۲ء میں آمدنی اور دولت پر تحقیق کی بین الاقوامی انجمن International Association for Research on Income & Wealth میں خطاب کرتے ہوئے Everett Hagen نے کہا کہ بہت گنجان آبادی والے ممالک بہ نسبت ان ممالک کے جن کی آبادی تھوڑی ہے سرمایہ فی کس فی پیداوار کی اکائی Capitalper capitaper unit of production کا تقاضہ کرتے ہیں۔ اس نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ آبادی میں تیز رفتار اضافہ ایک قوم کو اس کی منصوبہ بندی کی غلطیوں سے چھٹکارا دلاتا ہے۔

Colin Clarke نے اضافہ آبادی اور استعمال اراضی میں لکھا۔

اس خیال پر بنا کرتے ہوئے جس کو ابتداء میں خود مالتھس نے پروان چڑھایا تھا مالتھس کے اپنے ہی پیش کردہ بیان سے ایک نتیجہ پر پہنچتے ہیں اور وہ یہ کہ بہت سے اوقات اور بہت سے زمانوں میں آبادی بہت کم ہوتی ہے اور اس میں اضافہ کی رفتار بھی کم ہو سکتی ہے۔ بلاشبہ ایک وقت ضرور آتا ہے جب کہ آبادی کے ذرائع بقا (جو کہ اس سنے اور اس جگہ کے لحاظ سے مفہوم و معلوم ہوتے ہیں) پر غالب ہونے کے خطرے کی گھنٹی بجنے لگتی ہے۔ اس وقت آبادی میں اضافہ خود بخود وہ ضروری محرک پیدا کر دیتا ہے جو کہ ایک آبادی کو پیداوار کے رائج طریقے بدلنے یا زیادہ پیداواری طریقوں کو اپنانے پر ابھارتا ہے اور اس طریقے پر بڑی آبادی کی کفالت کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔

الفریڈ سووی Alfred Sauvy نے آبادی گھٹانے کے لیے ۱۹۵۴ء میں World Population Conference میں یوں استدلال کیا۔

اگر آبادی کی تحدید معاشی ترقی کی کنجی ہے تو فرانس پھر دنیا کا امیر ترین ملک ہوتا کیونکہ اس نے ایک طویل عرصے تک اس پر عمل کیا ہے۔"

نیز وہ اپنی کتاب "آبادی کا نظریہ عمومی General Theory of Population میں لکھتا ہے۔

مورخ ہمیں آبادی میں اضافہ کے منجمد ہونے یا آبادی کے گھٹنے کی کوئی ایسی مثال نہیں دے سکتا جس کے نتائج خوش کن ہوئے ہوں۔

Charles Gatton Darwin (نظریہ ارتقاء والے ڈارون کا پوتا) کہتا ہے۔

وہ ملک جو اپنی آبادی کی تحدید کرتا ہے اور اس وجہ سے وہ اس ملک کی بنسبت کم تعداد والا رہ جاتا ہے جو ایسا کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ جلد یا بدیر دوسرے ملک سے وجود میں مغلوب ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسری بات یہ ہے کہ جامد آبادی قدرتی تقابل کے پورے دھماکے سے احتراز کرتی ہے اور نتیجۃً ایک عالمی حیاتیاتی قانون کی سر وہی کرتے ہوئے وہ بتدریج ختم ہو جاتی ہے۔ یہ باور کرنا ممکن نہیں ہے کہ چھوٹی آبادی ایک لمبے عرصے تک انتہائی سخت مقابلے کی دنیا میں اپنا وجود برقرار رکھ سکے گی یا یہ کہ اس کو اتنی قوت حاصل ہوگی کہ وہ بقیہ دنیا کو بھی اپنے ساتھ ختم ہونے پر مجبور کر دے۔

یہی گالٹن ڈارون اپنی ایک کتاب میں ایک دلچسپ تنقید کرتا ہے جو اس معیار زندگی پر مایوسی کی چوٹ لگاتی ہے جس کا ضبط آبادی کے منصوبوں میں بکثرت ذکر کیا جاتا ہے۔

گذشتہ صدی کے بارے میں حیرت انگیز بات یہ ہے کہ تقریباً چھ نسلوں سے وقفہ وقفہ سے حالات کو سدھارنے کے لیے بہت سی اصلاحات کی گئی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ بات واضح نہیں ہے کہ وہ لوگ جو کثیر خوشحالی کے ان ایام میں رہ رہے ہیں ان لوگوں سے کچھ زیادہ خوش و مطمئن ہیں جو ڈکنز (Charles Dickens) کے دور میں زندگی گزار رہے تھے۔

جدید نظریہ آبادی

مناسب ترین آبادی کا نظریہ MODERN THEORY OF POPULATION OPTIMUM THEORY

جدید ماہرین معاشیات نے مالتھس کا نظریہ آبادی مسترد کر دیا اور اس کی جگہ پر مناسب آبادی کا نظریہ سامنے لائے۔ مناسب آبادی سے مراد آبادی کی وہ تعداد ہے جو ایک ملک کی اس کے وسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے ہونی چاہیئے۔ وسائل کی ایک متعین مقدار تکنیکی علم کی موجودگی اور سرمایہ۔۔۔ کی ایک مقررہ مقدار کے ہوتے ہوئے آبادی کی ایک متعین تعداد ہوگی کہ جس میں فی کس آمدنی وخدمات سب سے زیادہ ہوں۔ یہی مناسب تعداد ہے۔ غرض مناسب تعداد کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ یہ وہ تعداد ہے جس میں فی کس آمدنی سب سے زیادہ ہو۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ۔

قلت آبادی کے نقصانات

اگر کسی ملک کی آبادی اس کی مناسب تعداد سے کم ہو تو وہ کم آبادی والا ملک کہلاتا ہے۔ یہ تعداد اتنی نہیں کہ وہ ملک کے قدرتی اور سرمایہ کے وسائل سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکے۔ یہ صورتحال ایک نئے ملک میں دیکھنے میں آتی ہے جہاں وسائل کثیر ہوتے ہیں اور بہت کچھ پیدا کیا جاسکتا ہے لیکن افرادی قوت کی کمی کی وجہ سے پیداوار یت کا کام احسن طریقہ پر نہیں ہوسکتا۔

مزید برآں ایک اور نقصان مہارت کی کمی کا ہوتا ہے۔ مہارت کی وجہ سے کارکن اپنے کام میں مہارت اور ترقی یافتہ اوزاروں کو استعمال کرنے کا اچھا اور نفع بخش سلیقہ حاصل کر لیتے ہیں مہارت کی کمی کی وجہ سے بڑے پیمانے پر پیداوار حاصل نہ ہوسکے گی۔

ان حالات میں اضافہ سے فی کس آمدنی بڑھے گی لیکن یہ اضافہ غیر محدود نہیں بلکہ ایک مناسب مقدار تک ہی ہونا چاہیئے۔

کثرت آبادی کے خطرات

اور اگر آبادی مناسب تعداد سے تجاوز کر جائے تو کثرت آبادی کی حالت پیدا ہو جائے گی۔ اس حالت میں آبادی زیادہ ہوگی جبکہ وسائل کی کمی پر ایک کو روزگار مہیا ہونے میں رکاوٹ بنے گی۔ اوسط پیداواریت کم ہونی جائے گی اور نتیجتاً فی کس آمدنی کم ہوگی اور معیار زندگی

گر جائیگا۔ جنگ بیماری اور قحط سالی بھی ان ہی لوگوں کا رستہ دیکھتی ہے۔ سرمایہ کی تعمیر متاثر ہوگی اور معاشی ترقی کی رفتار کم ہو جائے گی۔

کثرت آبادی کے خطرات کو اس صورت میں ٹالا جا سکتا ہے کہ سرمایہ کی رسد کو بڑھایا جائے۔

مناسب تعداد اب ہم فرض کر لیتے ہیں کہ ایک ملک کے قدرتی وسائل۔ مشینری اور اس کی ٹیکنالوجی کی کیفیت مقرر ہیں۔ اب ہم فرض کرتے ہیں کہ اس کی آبادی جو پہلے ان وسائل کے تناسب سے بہت تھوڑی تھی اب بڑھنے لگتی ہے۔ آبادی میں اضافہ کے ساتھ افرادی قوت اور Labour Force بڑھنے لگتی ہے۔ جیسے جیسے افرادی قوت اس میں شامل ہوتی جائے گی فی کس پیداوار اور نتیجتاً فی کس آمدنی بڑھتی جائے گی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ افرادی قوت میں اضافہ سے مہارت کا بلند درجہ اور قدرتی اور سرمایہ کے وسائل کا بہتر استعمال ممکن ہو سکے گا۔ کمتر افرادی قوت کی وجہ سے مہارت کا میدان مختصر ہو جاتا ہے کیونکہ ہر کارکن کو ہر قسم کے کام کرنے پڑتے ہیں لیکن جوں جوں افرادی قوت میں اضافہ ہوتا ہے اور فنی مہارت ممکن ہوتی ہے ہر شخص کو ہر قسم کے کام نہیں کرنے پڑتے للہذا وہ اپنے مناسب و موزوں کام میں پوری توجہ دے سکتا ہے مختلف کارکنوں میں مختلف کاموں کی تقسیم سے کارکن کی استعداد میں اور انجام کار پیداواریت میں اضافہ ہوتا ہے۔

۲ - آبادی میں اضافہ قدرتی وسائل اور مشینری کے پورے پورے استعمال کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اگر آبادی کم ہو تو بالفعل مہیا وسائل بھی پورے طور پر بروئے کار نہیں آتے۔

۳ - ایک اور عامل بھی ہے جس کی بناء پر ابتدائی مراحل میں جوں جوں آبادی میں اضافہ ہوتا ہے پیداواریت بھی بڑھتی جاتی ہے۔ اگر کسی ملک کی آبادی کم ہو تو اس ملک کی پیداوار کی منڈی بھی چھوٹی ہوگی اور نتیجتاً Producer اس بات پر

مجبور ہونگے کہ چھوٹے پیمانے پر پیداوار نکالیں اور اس طرح وہ وسیع پیمانے کی پیداواریت کے معاشی فوائد سے محروم رہیں گے۔ اب جوں جوں آبادی بڑھے گی منڈی بھی وسیع ہوتی جائے گی اور وسیع پیمانے پر پیداوار ممکن ہو گی۔

ان تمام وجوہات کی بنا پر آبادی میں اضافہ سے فی کس آمدنی بڑھے گی یہاں تک کہ ایک حد پر آکر یہ فی کس آمدنی اپنی انتہا کو پہنچ جائے گی۔ اگر آبادی اس حد سے تجاوز کر جائے تو فی کس آمدنی گھٹنی شروع ہو جائے گی کیونکہ مقررہ سرمایہ اور قدرتی وسائل میں نسبتاً زیادہ تعداد میں کارکن شریک ہو گئے لہٰذا ہر ایک کے حصہ میں ان کا چھوٹا حصہ آیا۔ اس بنا پر اوسط پیداواریت گھٹتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بہت سے لوگوں کو روزگار نہ ملے اور وہ پیداواریت میں کچھ حصہ نہ ڈال سکیں۔ پس مزدوری میں بے روزگاری بہت ممکن ہے۔ اور جب یہ صورت ہو جائے تو لوگ زراعت کے ساتھ چمٹے رہیں گے اور زراعتی زمین پر آبادی کا دباؤ بڑھ جائے گا اور مزید یہ کہ یہ زائد افراد کل پیداوار میں کچھ اضافہ نہیں کر سکتے۔ بالفاظ دیگر ان زائد افراد کی مختتم پیداوار Marginal Productivity صفر یا صفر کے قریب ہو گی۔ اسی کو عام طور پر مخفی بے روزگاری کہا جاتا ہے۔

جدید نظریہ پر تنقید

۱۔ مناسب حد متعین نہیں

بلکہ لچکدار اور متبدل ہے۔ کیونکہ اس کا دارومدار وسائل اور ٹیکنالوجی پر ہے۔ اور سرمایہ اور قدرتی وسائل کی مقدار اور ٹیکنالوجی کی حالت بدلتی رہتی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں تبدیلی کثیر الوقوع ہے۔ اور جب بھی ان میں تبدیلی آئے گی مناسب حد بھی بدلے گی۔

۲۔ کثرت آبادی کا معیار

مختلف معیار پیش کیے گئے ہیں۔ مالتھس کے نزدیک ایجابی مانعات کا عمل

مثلاً جنگ، قحط اور بیماری ملک کی کثرت آبادی پر علامت ہے۔ اس کے علاوہ ماہرین معاشیات کچھ اور علامتیں بھی تجویز کرتے ہیں مثلاً مستقل طور پر غیر متوازن تجارت۔ بے روزگاری گرتے ہوئے معیار زندگی گرتی ہوئی اوسط آمدنی، بلند شرح پیدائش اور شرح اموات۔ لیکن کچھ غور و فکر سے معلوم ہوگا کہ یہ سب امور صرف آبادی کی کثرت کی بنا پر ہی نہیں ہوتے بلکہ معاشی اور سیاسی عوامل کی وجہ سے بھی واقع ہوتے ہیں مثلاً غیر متوازن تجارت بیرون ملک کثیر سرمایہ کاری کی وجہ سے ہوسکتی ہے۔ اسی طرح اوسط آمدنی کا گرنا اور نتیجتاً معیار زندگی کا گرنا ریاست کی ناقص معاشی پالیسیوں کی وجہ سے ہوسکتا ہے۔ اونچی شرح پیدائش وسعت پذیر معاشیات یا وسعت پذیر فوج کی ضروریات کی بنا پر ہوسکتی ہے اور اسی طرح بلند شرح اموات کا سبب صحت کا ناقص یا غیر مکتفی نظام ہوسکتا ہے۔

پس کثرت آبادی کے معیار پر ہم کوئی حتمی رہنمائی پیش نہیں کر سکتے۔

نظریہ کے نقائص

(الف) یہ تقریباً ناممکن ہے کہ آبادی کی کوئی ایسی حد مقرر کی جا سکے جو مناسب کہی جا سکے۔ ماہرین نے مختلف اور متضاد اعداد پیش کئے ہیں جو اس کی عملی افادیت کا انکار کرتے ہیں۔

(ب) اس تصور کا دار و مدار قدرتی وسائل، مشینری اور ٹیکنالوجی کی علمی حالت پر ہے۔ اور اس بات کو فرض کیا گیا ہے کہ وہ ایک ہی حالت و مقدار میں رہتے ہیں حالانکہ وہ متبدل ہیں اور مناسب حد ایک مسلسل تبدیل ہونے والا تصور ہے۔ بغرض یہ نظریہ غلط مفروضوں پر مبنی ہے۔

(ج) نیز محض آبادی کی تعداد کی اہمیت بہت کم ہے۔ آبادی کا تجزیہ مثلاً عمر کی تقسیم یا تقسیم باعتبار کارکن کے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ لہٰذا اگرچہ آبادی مناسب حد پر بھی ہو لیکن اس میں غیر کارکن مثلاً بچوں اور بوڑھوں کی کثیر تعداد معاشیات کی پیداواری

صلاحیت پر برا اثر ڈالے گی۔

(د) علاوہ ازیں یہ تصور صرف لوگوں کی تعداد پر نظر کرتا ہے ان کے معیار کو بالکل نظر انداز کر دیتا ہے۔ باصلاحیت اور محنتی افراد پر مشتمل ایک چھوٹی آبادی ایسی کثیر آبادی سے زیادہ کارآمد ہے جو سست اور غیر ذمہ دار افراد پر مشتمل ہو۔

(ہ) یہ نظریہ آبادی کے سیاسی، معاشرتی، جنگی اور دوسرے پہلوؤں کو نظر انداز کر دیتا ہے اور صرف معاشی پہلو پر نظر رکھتا ہے۔ مثلاً معاشی بنیادوں پر ایک چھوٹی آبادی کو تجویز کیا جا سکتا ہے لیکن دفاعی نقطۂ نظر سے یہ حد درجہ خطرناک بات ہوگی۔ ایڈم سمتھ Adam Smith نے بجا طور پر کہا Defence is better than opulence. (دفاع امیری سے بہتر ہے)

(و) مناسب آبادی کا تصور محض ایک نظریاتی دلچسپی کی چیز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کثرت آبادی کی صورت میں آبادی گھٹا کر مناسب حد پر لانا اور قلت آبادی کی صورت میں اس کو بڑھانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی خواہ وہ آبادی بڑھانے کیلئے ہو یا گھٹانے کے لیے ایک بڑا طویل اور سست عمل ہے جس میں کئی نسلیں گزر جاتی ہیں۔ انسان حکومتوں کے غیر لچکدار ضابطوں کے بجائے تہذیب و رواج سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔

نتیجہ

مناسب آبادی کا تصور عملی افادیت سے زیادہ محض نظریاتی و علمی دلچسپی رکھتا ہے۔

ان نظریات اور ان پر ماہرین معاشیات کی جانب سے تنقید اور رد کو معلوم کر لینے کے بعد اب یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ یہ نظریات یہ صلاحیت نہیں رکھتے کہ ان پر کسی واقعی منصوبہ کی بنا رکھی جائے۔ البتہ ایک اشکال باقی رہتا ہے اور وہ یہ کہ مالتھس کا نظریہ اگرچہ امریکہ اور مغربی یورپ میں ناکام ہو گیا لیکن پاکستان اور اس جیسے اور ممالک کے بارے میں اس کے صادق ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔

اس خیال کی تائید یا تردید کے لیے ہم طوالت میں نہیں جانا چاہتے اور صرف

ایک اصولی بات کا اعادہ کرتے ہیں - وہ یہ کہ کثرت آبادی پر کوئی حتمی معیار اب تک متعین نہیں کیا جا سکا - مزید برآں اس مسئلہ میں کلام کی خاصی گنجائش ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ امور جن کا سبب ہمیں ظاہراً کثیر آبادی نظر آتا ہے ناقص معاشی اور معاشرتی پالیسیوں اور مخصوص سیاسی عوامل کے سبب سے ہوں۔

ضبط ولادت کے حق میں دیگر دلائل اور انکا تجزیہ

اس عنوان کے تحت ہم چاہتے ہیں کہ تحریک وجودیت (Existentialism) کی ایک علمبردار Simone de Beauvoir کی مشہور زمانہ کتاب THE SECOND SEX (صنف آخر) کے کچھ اقتباسات پیش کریں۔

"عورت کے بنیادی مسائل میں سے ایک اس کے تولیدی کردار اور پیداواری عمل میں شرکت کے درمیان مصالحت ہے - یہ بنیادی حقیقت کہ ابتدائے تاریخ ہی سے عورت خانہ داری میں محصور کی گئی اور تعمیر کائنات میں اپنا کردار ادا کرنے سے روکی گئی اس سبب سے کہ تولیدی عمل اس کی محض غلامی تھی - مادہ حیوانات میں قدرتی اور موسمی ...... ہوتا ہے جو ان کی توانائیوں کو مجتمع و برقرار رکھنے میں مؤثر ہوتا ہے لیکن اس کے برعکس عورت میں ابتدائے حیض سے لے کر سن ایاس تک قدرت نے حمل کی تعداد پر کوئی حد نہیں لگائی۔"

"ایک اور عامل بھی ہے جو مرد کو ایک جارحانہ پہلو عطا کرتا ہے اور جنسی وظیفہ کو انتہائی اہم خطرہ بنا دیتا ہے - یہ حمل کا خطرہ ہے - ایک غیر قانونی بچہ معاشرتی اور معاشی طور پر غیر شادی شدہ عورت کے لیے اتنی بڑی رکاوٹ ہے کہ لڑکیوں کو جب حاملہ ہونے کی حقیقت کا علم ہوتا ہے تو وہ خودکشی کا اقدام بھی کر بیٹھتی ہیں - یہ عظیم خطرہ اتنی قوی جنسی پابندی عائد کر دیتا ہے کہ جس کی بنا پر بہت سی نوجوان لڑکیاں قبل از نکاح عفت و پاکدامنی کا دامن تھامے رکھتی ہیں - اور جب یہ پابندی اتنی قوی نہ بھی ہو اس وقت بھی نوجوان لڑکی اس دہشت ناک خطرہ سے کم دہشت زدہ نہیں ہوتی جو اس کے محبوب کے جسم میں مخفی ہوتا ہے Sketel نے ایسے مریضوں کے حوالے دیئے ہیں جن میں یہ دہشت شعوری طور پر محسوس کی جا سکتی ہے۔

اور نکاح کی صورت میں بھی صحت اور معاش کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ ' بچہ مطلوب نہ ہو۔

زیادہ یقینی اور کم پیچیدہ مانع حمل تدابیر کی موجودگی عورتوں کی جنسی آزادی کی جانب ایک بڑا اقدم ہے۔ امریکہ جیسے ملک میں جہاں یہ طریقے بہت زیادہ معروف ہیں ان نوجوان لڑکیوں کی تعداد جو شادی کے وقت کنواری ہوں فرانس جیسے ملک سے کمتر ہے "

" زچگی ہی میں عورت اپنے بدنی وظیفہ کی قسمت کی تکمیل کرتی ہے۔ یہ اس کا ایک قدرتی تقاضا ہے کیونکہ اس کا پورا جسمانی ڈھانچہ نوع انسانی کے تسلسل کیلئے موزوں بنایا گیا ہے۔ لیکن یہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ انسانی معاشرے نے اپنے آپ کو بالکلیہ قدرت کے ہاتھوں میں نہیں دے رکھا اور تقریباً ایک صدی سے خاص طور پر تولیدی عمل بھی حیاتیاتی اتفاقات کے رحم وکرم پر نہیں ہے بلکہ یہ انسانوں کے باضابطہ اختیار میں آچکا ہے بعض ممالک نے سرکاری طور پر مانع حمل سائنسی طریقے اختیار کر لیے ہیں اور وہ اقوام جو کیتھولک اثر کے تحت ہیں ان میں ان کا استعمال خفیہ طریق پر ہو رہا ہے یا تو مرد عزل کا طریقہ اختیار کرتے ہیں یا عورت وظیفہ جنسی کے فوراً بعد مادہ منویہ سے چھٹکارا پا لیتی ہے۔ یہ مانع حمل طریقے محبت کرنے والے یا شادی شدہ جوڑوں میں بسا اوقات جھگڑا یا آزردگی کا باعث بنتے ہیں کیونکہ مرد لذت کے لمحات میں احتیاط کرنا پسند نہیں کرتا اور عورت صفائی کے طریقوں سے گھبراتی ہے۔ اور دونوں اس وقت خوف زدہ ہو جاتے ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ باوجود ہر قسم کی احتیاطی تدابیر کے خطرہ حقیقت بن کر سامنے آگیا ایسا اکثر ان ملکوں میں ہوتا ہے جہاں حمل سے مانع طریقے ابتدائی نوعیت کے ہیں۔ اب اس کے بعد ان کے سامنے ایک ہی حل ہوتا ہے یعنی اسقاط .... ایسے موضوعات کم ہی ہوں گے جن میں پورژوا معاشرہ اس سے زیادہ منافقت کا مظاہرہ کرتا ہو۔ اسقاط کو ایک باغیانہ جرم سمجھا جاتا ہے اور اس کا ذکر بھی غیر شائستگی میں شمار ہوتا ہے۔ ایک مصنف کے لیے زچگی میں عورت کی مسرت اور مصائب کو بیان کرنا بالکل جائز ہوگا لیکن اگر وہ اسقاط کے کسی کیس کی نشاندہی کر دے تو اس پر گندگی میں لوٹنے کا الزام لگایا جاتا ہے۔

اب فرانس میں تقریباً اتنی ہی تعداد میں اسقاط کرائے جاتے ہیں جتنی ولادتیں ہوتی ہیں .... اسقاط کو قانونی جواز دینے کے خلاف جو دلائل دیے گئے ہیں ان سے زیادہ کوئی اور بات نامعقول نہیں ہو سکتی۔ یہ کہا گیا ہے کہ یہ آپریشن خطرناک ہے لیکن دیانت دار معالج برلن کے ادارہ جنسی تحقیقات کے سابق ڈائریکٹر Magnus Hirschield کے ساتھ متفق ہیں کہ اگر یہ آپریشن ہسپتال میں ضروری احتیاطی تدابیر کے ساتھ ماہر ہاتھوں سے ہو تو ان عظیم خطرات کا متحمل نہیں ہوتا جو (قانون تعزیر) میں مذکور ہیں۔ اس کے برخلاف جو چیز اس کو عورتوں کیلئے انتہائی خطرناک بنا دیتی ہے وہ اس کا موجودہ حالت میں کیا جانا ہے۔ اسقاط کرنے والوں کی مہارت کا فقدان اور ناگفتہ بہ حالات جن میں یہ کیا جاتا ہے بہت سے حوادث کو جنم دیتا ہے جن میں سے بعض مہلک بھی ہوتے ہیں۔

زبردستی کی زچگی دنیا میں ایسے خستہ حال بچوں کو لانے کا موجب ہے جن کے والدین ان کی کفالت سے معذور رہیں گے اور نتیجتاً بچے عوامی بہبود کا شکار ہو جائیں گے۔ اس بات کی نشاندہی ضروری ہے کہ ہمارا معاشرہ جو ایک جنین کے حقوق کی مدافعت میں بہت پیش پیش ہے اس وقت کسی قسم کی دلچسپی اور سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کرتے جب کہ وہ بچے دنیا میں آجائیں۔ یہ اسقاط کرنے والوں پر تو مقدمہ چلاتا ہے لیکن کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس سے اس بدنام ادارہ کی جو کہ عوامی تعاون کے نام سے معروف ہے اصلاح ہو سکے۔ جو لوگ بچوں کو موذیوں کے سپرد کرنے کے ذمہ دار ہیں ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ایک طرف اس بات کا اعتراف نہیں کیا جاتا کہ جنین اس عورت کی ملکیت ہے جو اس کو اٹھائے پھر رہی ہے جب کہ دوسری طرف اس بات پر اتفاق ہے کہ بچہ اس کے والدین کا مملوک ہے اور ان کے رحم و کرم پر ہے۔ حال ہی میں ہم نے دیکھا کہ اسقاط کرنے کی بنا پر مقدمہ کیے جانے کی وجہ سے ایک سرجن خودکشی کرنے پر مجبور ہوا جبکہ ایک باپ کو جس نے اپنے بیٹے کو مار مار کر موت کے قریب پہنچا دیا تھا تین ماہ کی قید کی سزا سنائی گئی اور وہ بھی معطل کر دی گئی۔ ایک باپ نے عدم نگہداشت کی وجہ سے اپنے بیٹے کو گلے کی تکلیف کی وجہ سے موت کا حوالے کر دیا۔ ایک بچی کو چند بچوں نے پتھر مار کر زخمی کر دیا تھا لیکن ماں نے اپنے آپ کو خدا کی مرضی کی مکمل ماتحتی میں دیتے ہوئے ڈاکٹر کو بلانے سے انکار

کر دیا۔ اور جب چند صحافیوں نے برہمی کا اظہار کیا تو بہت سے معزز لوگ احتجاج پر اتر آئے کہ بچے ان کے والدین کے ہیں اور بیرونی عناصر کو کسی مداخلت کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ مطبوعہ رپورٹوں سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اس رویہ کی وجہ سے ایک ملین فرانسیسی بچے جسمانی و اخلاقی خطرے سے دوچار ہیں۔ شمالی افریقہ کی عرب خواتین اسقاط نہیں کرا سکتیں اور ان کے ہر دس میں سے سات آٹھ بچے مر جاتے ہیں لیکن کسی کو کوئی تشویش نہیں ہوتی کیونکہ حمل کی یہ قابل رحم اور نا معقول کثرت ان کے مادرانہ جذبات کو عمل دیتی ہے۔ اگر یہ سب کچھ اخلاقیات کے بارے میں ہے تو اس اخلاقیات کے بارے میں کوئی کیا کہے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ وہ مرد جو جنین کی حیات کے بارے میں بہت مبالغہ و تاکید کے ساتھ احترام رکھتے ہیں جنگ کے موقع پر بالغین کی موت کے پروانے لکھنے پر پُرجوش ہوتے ہیں۔

اسقاط کے خلاف جو عملی خیالات پیش کئے گئے ہیں وہ بالکل بے جان ہیں۔ جہاں تک اخلاقی اعتبارات کا تعلق ہے تو وہ پرانی کیتھولک دلیل پر مبنی ہے اور وہ یہ کہ پیدائش سے قبل جنین میں روح ہوتی ہے اور اگر اس کی حیات کو بپتسمہ کے بغیر منقطع کر دیا جائے تو بہشت میں اس کا داخلہ نہیں ہو سکے گا۔ لیکن یہی کلیسا بعض حالات میں بالغین کو قتل کرنے کی سند عطا کرتا ہے مثلاً جنگ میں اور دیگر قوانین کے تحت۔ یہاں بپتسمہ سے نجات مفقود ہے بلکہ مقدس جنگوں میں ان کافرین و ملحدین کو جو مساوی طور پر غیر بپتسمہ شدہ تھے قتل کرنے میں خوش دلی سے ہمت بڑھائی جاتی ہے۔ بلاشبہ INQUISITION (بے دینی کا خاتمہ کرنے والی رومی عدالت) کے شکار اس سے زیادہ مہربان حالت میں نہ تھے جتنا کہ وہ مجرم جنہیں آج کل گلوٹین کے حوالے کر دیا جاتا ہے یا وہ سپاہی جو میدان جنگ میں اپنی جان دے دیتا ہے۔ اب اگر کلیسا ان تمام صورتوں میں معاملہ خدا کی مہربانی کے سپرد کر سکتا ہے (کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ آدمی خدا کے ہاتھ میں محض ایک آلہ ہے اور روح کی نجات خدا اور روح کے درمیان معاملہ ہے) تو پھر خدا پر جنین کی روح جنت میں قبول کرنے پر کیوں پابندی عائد کی جائے۔ اگر کلیسائی کونسل اس کو سند دے دے تو خدا کو اس سے زیادہ اعتراض نہ ہوگا جتنا کہ ان عظیم الشان ادوار میں ہوگا جب کہ کافروں کو بڑے تقدس کے ساتھ

قتل کیا جاتا تھا۔

ان پُرجوش اقتباسات میں منع حمل اور اسقاط کے حق میں جو وجوہات پیش کی گئی ہیں وہ درج ذیل ہیں:۔

۱۔ بے نکاحی ماؤں اور غیر قانونی بچوں کے مسائل

۲۔ ملکی تعمیر و پیداوار میں عورتوں کا اپنا حصہ ادا کرنے سے محرومی

۳۔ معاشی تقاضے

۴۔ ماں کی صحت

۵۔ بچوں کی صحیح نگہداشت کا نہ ہوسکنا کیونکہ معاشرہ یا والدین اپنے آپ کو اس کا ذمہ دار نہیں سمجھتے۔

مصنفہ کی نظر میں ان اسباب کی بناء پر مانع حمل تدابیر کا استعمال اور ان کے مؤثر نہ ہونے کی صورت میں اسقاط ضروری ہے۔ جہاں تک سبب اول کا تعلق ہے ہمیں اس پر کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ایسی تدابیر کو اختیار کرنا جن سے مرد و زن کا ناجائز اختلاط ممکن نہ ہو اور ایسے اسباب کی بیخ کنی کرنا جو ایسے اختلاط کی طرف لے جانے والے ہوں اسلامی معاشرہ اور حکومت کے فرائض میں سے ہے۔ اور فرد کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر ایسے کام اور رستے سے بچے جو زنا کی طرف مفضی ہو۔

سبب ثانی کے بارے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ عورتوں کا قومی تعمیر میں بڑا حصہ ہے البتہ وہ کس طور پر یہ حصہ لیں اس میں ہمیں مصنفہ سے اختلاف ہے۔ اور یہ اختلاف عین عقل کے مطابق ہے کیونکہ ہمیں اس باب میں بھی دین و عقل کی رہنمائی حاصل ہے جب کہ وہ کسی دین الٰہی کی رہنمائی سے یکسر محروم اور عقلی رہنمائی میں مغالطوں یا مخصوص و محدود مصلحتوں کے شکار ہیں۔

بقیہ اسباب کا ذکر ہم ضبط ولادت کی شرعی حیثیت کے عنوان کے تحت کر دیں گے۔

تاریخ ضبط ولادت

ازمنۂ قدیمہ سے مانع حمل طریقے خصوصاً عورتوں کے استعمال کیلئے رائج ہیں لیکن ان کا علم صرف حکماء اور پیشہ ور عورتوں ہی کو تھا۔ اس راز سے غالباً دورِ زوال کی رومی عورتیں بھی باخبر تھیں جن کے بانجھ پن کو ہجو گویوں Satirists نے نشانہ تنقید بنایا ہے۔

ضبط ولادت کی تدابیر میں سے سب سے پہلی تدبیر جسکا علم ہوا ہے وہ دو ہزار سال قبل مسیح کا مصری Papyrus ہے جو عورت کے استعمال کیلئے ایک مرکب دوا تجویز کرتا ہے۔ یہ مرکب مگرمچھ کے فضلہ، شہد سوڈا اور ایک گوند جیسی شئی پر مشتمل ہے۔ یہ Papyrus سنہ ۱۸۸۹ء میں کاہون سے دریافت ہوا تھا۔

ازمنہ وسطیٰ میں فارسی اطباء اکتیس نسخوں سے واقف تھے۔ ان میں سے صرف نو مردوں کے استعمال کیلئے تھے۔ اٹھارویں صدی تک یورپ ان سے بالکل ناواقف تھا۔ فرانس غالباً اولین جدید ملک تھا جس نے ان کا بڑا وسیع استعمال کیا جس کا ثبوت مالتھس کے دور میں فرانس میں اضافہ آبادی کی شدید قلت تھا۔ اسقاط کو بھی زمانہ دراز سے غیر مطلوبہ ولادتوں سے بچنے کے لیے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔

باوجود اس طویل اور باکفایت نظیر کے پھر بھی ضبط ولادت کی تحریک کی ابتداء انگلستان میں مالتھس کے ڈرانے کے بعد ہی ہوئی۔ سنہ ۱۸۳۲ء میں ایک امریکی Charles Knowlton نے ایک پمفلٹ ثمراتِ فلسفہ کے نام سے لکھا جس میں مانع حمل تدابیر کا ذکر کیا۔

تحریک چلانے والوں کا رستہ خاصا دشوار تھا اور ان کا مواد فحش و ناشائستہ قرار دیا گیا اور اکثر اوقات حکام کی جانب سے ضبط کرلیا جاتا تھا۔ سنہ ۱۸۷۷ء میں اینی بیسنٹ اور چارلس بریڈ لا پر نولٹن Knowlton کے پمفلٹ بیچنے پر مقدمہ چلایا گیا لیکن اس سے منسلکہ تشہیر نے مالتھوسین لیگ کے قائم کرنے میں مدد دی سنہ ۱۸۷۸ء میں ہالینڈ میں ضبط ولادت کلینک قائم کرنے کی کامیابی الیٹا جیکبز (Aletta Jacobs) کو حاصل ہوئی۔ سنہ ۱۹۲۱ء میں اس جیسا ایک اور مطب Dr. [illegible] کی کوششوں سے لندن میں قائم ہوا۔

۱۹۱۶ء میں جب بروکلن میں مارگریٹ سینگر Margaret Sanger نے اپنا مطب کھولا تو پولیس نے اسے بند کرادیا اور مسز سینگر کو بیس دن کی قید کیلئے جیل بھیج دیا گیا لیکن ان رکاوٹوں سے وہ پھر بھی مایوس یا خوفزدہ نہ ہوئی اور اس نے سب سے پہلی ضبط ولادت تنظیم ۔ضبط ولادت لیگ BIRTH CONTROL LEAGUE کے نام سے ریاستہائے متحدہ امریکہ میں قائم کی۔ ۱۹۲۳ء میں وہ اپنا مستقل مطب کھولنے میں کامیاب ہوئی ۔ اس کی کوششیں بتدریج بارآور ہوئیں اور اس صدی کی تیسری دہائی میں مانع حمل تدابیر کے خلاف پابندیاں کچھ نرم کی گئیں۔ ۱۹۳۶ء میں ضبط ولادت کے بارے میں معلومات بذریعہ ڈاک ارسال کرنے کے خلاف قانون ختم کیا گیا ۔ عدالتی فیصلوں نے آہستہ آہستہ مانع حمل تدابیر کے خلاف ریاستی قوانین کو ختم کیا ۔ فی الوقت اکثر کلیسا ضبط ولادت کو تسلیم کرتے ہیں اگرچہ رومن کیتھولک کلیسا اب تک سوائے Rhytnm طریقے کے اور ہر قسم کی تدبیر پر پابندی عائد کرتا ہے۔

دسمبر ۱۹۶۷ء میں اقوام متحدہ کی ایک POLICY STATEMENT وضع کی گئی اور ۱۲۶ ارکن اقوام میں سے تیس ۳۰ نے اس پر دستخط کئے جن میں سے ایک پاکستان بھی ہے۔

دنیا کی آبادی پر اعلامیہ
DECLARATION ON WORLD POPULATION

لیکن ایک اور بڑا مسئلہ دنیا کے لیے خطرہ بنا ہوا ہے ۔ ایسا خطرہ جو اگرچہ دیکھنے میں چھوٹا ہے لیکن فوری اہمیت کا حامل ہے ۔ اور یہ بغیر منصوبہ بندی کے آبادی میں اضافہ ہے ۔ انسانیت کو گذشتہ صدی کے وسط تک ایک بلین کی آبادی بنانے میں پورے ازمنہ معلومہ درکار ہوئے لیکن دو بلین بنانے میں اس کو سو سال سے بھی کم عرصہ درکار ہوا اور تیسرے بلین کے لیے صرف تیس سال ۔ اضافہ کی موجودہ شرح کے حساب سے ۱۹۷۵ء تک دنیا کی آبادی چار بلین اور ۲۰۰۰ء تک سات بلین ہو جائے گی ۔ یہ بے نظیر اضافہ ایسی صورت حال سے دوچار ہے جو معاملات انسانی میں یکتا ہے ۔ اور یہ ایسا مسئلہ ہے جو ہر گزرتے ہوئے دن کے ساتھ مزید فوری اہمیت اختیار کرتا جاتا ہے ۔

یہ اعداد خود ہی غیر معمولی ہیں لیکن ان کے متضمنات اور بھی زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔

آبادی میں تیزی سے اضافہ معیار زندگی کو بلند کرنے۔ تعلیم کو عام کرنے۔ صحت وصفائی کے انتظام کی اصلاح۔ بہتر رہائشی اور سفری سہولتیں مہیا کرنے۔ تمدنی اور تفریحی مواقع فراہم کرنے اور بعض ممالک میں کافی غذا کے حصول کی کوششوں کو سبوتاژ کرتا ہے۔ مختصر الفاظ میں بہتر زندگی گزارنے کا انسانی جذبہ جو کہ ہر مقام کے انسانوں کے درمیان مشترک ہے

بطور حکومتوں کے سربراہوں کے جو مسئلہ آبادی سے بالفعل متعلق ہیں ہم ان نکات پر یقین رکھتے ہیں :-

——— ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اگر حکومتیں اپنے معاشی نصب العین کو حاصل کرنا اور اپنے عوام کے جذبات کو پورا کرنا چاہتی ہیں تو ان کو آبادی کے مسائل کو طویل المیعاد قومی منصوبہ بندی میں ایک اہم عنصر تسلیم کرنا پڑے گا۔

——— ہم اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ بچوں کی تعداد اور ان کی پیدائش کے درمیان وقفہ کی تعین کرنا ایک بنیادی انسانی حق ہے۔

——— ہمیں وثوق ہے کہ پائیدار اور بامعنی امن کا بڑی حد تک دارومدار اس بات پر ہوگا کہ اضافہ آبادی کا مقابلہ کس طور پر کیا جاتا ہے۔

——— ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ خاندانی منصوبہ بندی کا مقصد انسانی زندگی کی بہتری ہے نہ کہ اس پر پابندی عائد کرنا اور ہم اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ خاندانی منصوبہ بندی ہر شخص کو اپنی انفرادی شان کی تکمیل اور اپنی صلاحیتوں کے بھرپور اظہار کیلئے آزادی مہیا کرتی ہے۔

ضبط ولادت کی شرعی حیثیت

اس عنوان کے تحت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ خاصا جامع ہے۔ ہم بھی اس کی اعانت سے بے نیاز نہیں ہو سکتے ضبط ولادت کے تحت (اور ممکنہ) طریقے تین ہیں (۱) قطع نسل (۲) منع حمل (۳) اسقاط ہم بالترتیب ان طریقوں کا ذکر اور انکی شرعی حیثیت

بیان کریں گے۔

قطع نسل یا مصنوعی بانجھ پن (STERILIZATION)

مصنوعی بانجھ پن یا تولیدی صلاحیتوں کو قطع کرنے کا عمل مرد عورت دونوں میں کیا جاتا ہے۔

عورت میں اس مقصد کے لیے تین قسم کے آپریشن کیے جاتے ہیں (۱) رحم کو جدا کرنا (Hysterectomy)

(۲) رحم کی نالیوں کو بند کرنا۔ (Tubal Ligation) (۳) رحم کی نالیوں کو گرہ دے کر قطع کرنا۔ (Ligation with Resection)

مرد میں معروف آپریشن Vasectomy ہے جس میں اس کے علاوہ ایک اور انتہائی صورت جو اگرچہ مستعمل نہیں ہے لیکن بالواسطہ اس سے بھی مقصد حاصل ہو جاتا ہے وہ اختصاء یعنی خصیتین کو کاٹ کر جدا کرنا ہے (CASTRATION)

شرعی حکم: یہ عمل خواہ مرد پر کیا جائے خواہ عورت پر ناجائز و حرام ہے الا یہ کہ کچھ امراض ایسے لاحق ہو جائیں جن کا علاج ہی صرف یہ ہو مثلاً عورت میں رسولیوں Fibroidds اور سرطان کے ابتدائی مرحلہ (Carcinoma in situ) میں تجویز شدہ علاج رحم جدا کرنا (Hystorectomy) ہے۔ یا پھر عورت کو ایسی بیماری لاحق ہو کہ حمل کا بوجھ اس کے لیے موت کا سبب بنتا ہو۔ اسکی حرمت پر ہمارے یہ دلائل ہیں۔

ولامرنہم فلیغیرن خلق اللہ الایۃ سورۃ نساء آیت ۱۱۹

تفسیر روح المعانی میں ہے عن نہجۃ صورۃ او صفۃ اس کی نہج کو بدلیں گے خواہ صورت کے اعتبار سے ہو خواہ صفت کے اعتبار سے اور قطع نسل کے ان تمام طریقوں میں ہمیں تغییر صوری یا تغییر صفتی نظر آتی ہے۔

اسی تفسیر میں آگے چل کر علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ویندرج فیہ..... خصاء العبید اور اس میں غلاموں کو خصی کرنا بھی شامل ہے۔

خصاء کے بارے میں علامہ نووی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا

قال النووی الخصاء فی آدم محظور عند عامۃ السلف والخلف

اولاد آدم میں خصی کرنا تمام علماء سلف وخلف کے نزدیک ممنوع ہے اور فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے خصاء بنی آدم حرام بالاتفاق اولاد آدم کو خصی کرنا متفقہ طور پر حرام ہے۔

عزل یا منع حمل (CONTRACEPTION)

I خاص خاص ضرورتوں کے ماتحت ایسا کرنا جائز ہے لیکن شخصی وانفرادی طور پر مثلاً

۱ عورت اتنی کمزور ہے کہ بار حمل کا تحمل نہیں کر سکتی

۲ عورت کسی دور دراز کے سفر میں ہے۔

۳ کسی ایسے مقام پر ہے جہاں قیام و قرار کا امکان نہیں بلکہ خطرہ لاحق ہے

۴ زوجین کے باہمی تعلقات ہموار نہیں اور علیحدگی کا قصد ہے

ان سب اعذار کا خلاصہ یہ ہے کہ شخصی وانفرادی طور پر کسی شخص کو عذر پیش آجائے تو عذر کی حد تک اس طرح کا عمل بلا کراہت جائز ہوگا عذر کے دور ہو جانے کے بعد اس کے لیے بھی درست نہیں، اور عام لوگوں کے لیے اجتماعی طور پر اس کی ترویج بہر حال ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔

II بغیر عذر و ضرورت کے عزل کرنا مکروہ ہے۔ اور اسی طرح عذر ختم ہو جانے کے بعد اس پر مداومت مکروہ ہے۔

ان دونوں حکموں پر دلالت کرنے والی مندرجہ ذیل روایات کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کی ہمت افزائی نہیں فرمائی بلکہ ناپسندیدگی یا فضول ہونے کا اظہار فرمایا ہے۔ البتہ واضح طور پر اس عمل کی ممانعت بھی نہیں فرمائی

I حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی کنیزوں سے عزل کرنا چاہا (تاکہ گھر کے دوسرے کاموں میں حرج پیش نہ آئے) مگر یہ مناسب نہ معلوم ہوا کہ

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کئے بغیر ہم ایسا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

ما علیکم ان لا تفعلوا ما من نسمة کائنة الی یوم القیامة الا وھی کائنة۔ (بخاری و مسلم)

اگر تم ایسا نہ کرو تو اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں کیونکہ جو جان پیدا ہونے والی ہے تو وہ ضرور ہو کر رہے گی۔

۲ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا

ما من کل الماء یکون الولد واذا اراد اللہ خلق شیء لم یمنعہ شیء۔

ہر نطفہ سے تو بچہ پیدا ہوتا نہیں اور جب اللہ تعالے کسی کو پیدا کرنا چاہتے ہیں تو کوئی طاقت اسے نہیں روک سکتی

مطلب یہ ہے کہ جس مادہ سے کسی بچہ کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دیا ہے وہ ضرور اپنے مستقر پہ پہنچ کر حمل بنے گا۔ تم کتنی ہی تدبیریں اس کے خلاف کرو کامیاب نہ ہوگے۔

۳ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ ہم اس زمانے میں عزل کرتے تھے جب کہ قرآن کا نزول جاری تھا (بخاری و مسلم)

گویا اگر یہ عمل ناجائز ہوتا تو قرآن کی آیت اس کی ممانعت پر نازل ہو جاتی جب ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ عمل جائز ہے۔

مسلم کی ایک دوسری روایت میں اتنا اور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے اس عمل کی اطلاع ہوئی تو آپ نے منع نہیں فرمایا

۴ جذامہ بنت وھب رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا

ذلک الوأد الخفی وھی اذا الموءودة سئلت۔

یہ تو خفیہ طور پر اولاد کو زندہ درگور کر دینے کے حکم میں ہے اور آیت قرآن

اذا المودۃ سئلت اس کو شامل ہے۔

یعنی اگرچہ یہ ظاہر اور حقیقت کے اعتبار سے موءودہ نہیں مگر اسی مقصد کا ایک پوشیدہ رستہ ہے جس کے لیئے لڑکیوں کو زندہ درگور کرتے تھے جب جذامہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو پہلی روایتوں کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو جذامہ کی روایت سے اس عمل کی کراہت ظاہر ہو گی جبکہ پہلی روایتوں سے اس عمل کا جواز اگرچہ ناپسندیدگی کے ساتھ ثابت ہو گا۔حاصل یہ ہوا کہ یہ عمل جائز تو ہے مگر مکروہ اور ناپسندیدہ۔ ہاں اگر کوئی عذر ہو تو کراہت باقی نہ رہے گی جیسا کہ بیان ہو چکا۔

۱۱۱ اگر کوئی ایسی غرض یا ایسا خود ساختہ عذر ہو جو اسلامی اصولوں کے خلاف ہو تو یہ عمل ناجائز ہو گا مثلاً

I اگر لڑکی ہو گئی تو بدنامی ہو گی

۲ مفلسی کے وہم سے۔

جب شخصی و انفرادی طور پر اس عمل کو اختیار کرنے کا یہ حکم ہے تو اجتماعی طور پر مفلسی کے وہم سے اس عمل کو اختیار کرنا اور اختیار کرنے پر آمادہ کرنا بطریق اولیٰ شنیع و قبیح اور ناجائز ہو گا۔

اسقاط (ABORTION (

جنین کی اٹھائیس ہفتے کی عمر سے پہلے حمل کے تسلسل کو منقطع کر دینے کا نام اسقاط ہے۔ عمداً جو اسقاط کیا جائے وہ یا تو طبی بنیادوں پر ہو گا اور اس قسم کو قانونی تحفظ حاصل ہے یا غیر قانونی یعنی مجرمانہ ہو گا۔ لیکن اسقاط کی قانونی حیثیت میں پورے عالم میں بہت زیادہ اختلاف ہے اور تبدیلیاں متواتر واقع ہوتی جاتی ہیں۔ چند ممالک مثلاً برطانیہ میں قانونی وسعت بہت زیادہ ہے جبکہ وہ کچھ دوسرے ممالک مثلاً رومانیہ میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔

برطانیہ میں ۱۹۶۷ کے قانون اسقاط کے مطابق اسقاط کیا

جاسکتا ہے جب کہ۔

i دو ڈاکٹر نیک نیتی کے ساتھ اس بات پر متفق ہوں کہ حمل جاری رکھنے میں ماں کی زندگی یا صحت کو بنسبت حمل کو قطع کرنے کے زیادہ خطرہ ہے۔

ii اس امر کی وضاحت کی گئی ہو کہ بچے کے ناقص الخلقت ہونے کے احتمالات قوی ہیں۔

iii موجودہ زندہ بچوں کی صحت پر حمل برقرار رکھنے سے برا اثر پڑتا ہو۔ اس ضمن میں معاشرتی عوامل کو بھی مدنظر رکھا جائے گا۔

ان دفعات کی تشریح میں مختلف طبقات میں خاصا اختلاف ہے۔ کچھ ڈاکٹر صاحبان شماریات کی تشریح اس بات کی تائید میں لاتے ہیں کہ حمل کو ابتدائی مرحلہ میں منقطع کر دینے کی بنسبت حمل کو جاری رکھنے میں خطرات ہمیشہ زیادہ ہوتے ہیں۔

اسقاط کے لیے مخصوص طبی وجوہات اب بہت کم ہیں۔ ۱۹۶۴ء سے ۱۹۵۳ء کے درمیانی عرصے میں Rovinsky & Gusberg کے مشاہدات کے مطابق اسقاط کا وقوع بارہ[۱۲] فی دس ہزار ولادت طبی بنیادوں پر اور اٹھارہ[۱۸] فی دس ہزار Genetic بنیادوں پر تھا Genetic بنیادوں پر اسقاط کی وجہ دوران حمل Rubella بیماری تھی جب کہ طبی بنیادوں میں امراض قلب، گردہ اور سینہ شامل تھے۔ نفسیاتی امراض کی بناء پر اسقاط کی شرح میں اضافہ ہوا اور یہ چوبیس[۲۴] سے چھپن[۵۶] فی دس ہزار تک عروج کر گئی

اس تمہید کے بعد اب اسقاط کی شرعی حیثیت کو لیجئے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

قال فی النہر ..... ھل یباح الاسقاط بعد الحمل نعم یباح ۔النہر الفائق۔

میں فرمایا ... کیا حمل کے قرار پا جانے کے بعد اسقاط کرانا جائز ہے

ل INTEGRATED OBSTETRICS & GYNECOLOGY FOR POST GRADUATES By C.G. DEWHURST 1976 Chapter 14

مالم یتخلق منه شیء ولن یکون ذلک الا بعد مائة وعشرین یوما وهذا یقتضی انهم ارادوا بالتخلیق نفخ الروح والا فهو غلط لان التخلیق یتحقق بالمشاهدة قبل هذه المدة۔..........

وفی کراهة الخانیة ولا اقول بالحل اذ المحرم لوکسر بیض الصید ضمنه لانه اصل الصید فلما کان یواخذ بالجزاء فلا اقل من ان یلحقها اثم هنا اذا اسقطت بغیر عذر اھ قال ابن وهبان ومن الاعذار ان ینقطع لبنها بعد ظهور الحمل ولیس لابی الصبی مایستاجر به الظئر ویخاف هلاکه۔ ونقل عن الذخیرة لوارادت الالقاء قبل مضی زمن ینفخ فیه الروح هل یباح لها ذلک ام لا اختلفوا فیه وکان الفقیه علی بن موسیٰ یقول انه یکره فان الماء بعد ما وقع فی الرحم مآله الحیاة فیکون له حکم الحیاة کما فی بیضة صید الحرم ونحوه فی الظهیریة قال ابن وهبان فاباحة الاسقاط محمولة علی حالة العذر او انها لا تاثم اثم القتل اھ۔

جواب ہے کہ ہاں جب تک کہ اس سے کچھ تخلق نہ ہوا ہو۔ اور ایسا ایک سو بیس دن سے پہلے ہرگز نہیں ہوتا۔ یہ بات اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ ان فقہاء کی تخلیق سے مراد نفخ روح ہے ورنہ دوسری صورت میں تو یہ بات غلط ہوگی کیونکہ مشاہدہ سے ثابت ہے کہ تخلیق اعضاء اس مدت سے پہلے ہو جاتی ہے۔ خانیہ کے باب کراہتہ میں ہے " میں اس کی حلت کا قول نہیں کرتا کیونکہ محرم اگر شکار کے انڈے توڑ دے تو اس پر ضمان آتا ہے کیونکہ انڈہ شکار کی اصل ہے۔ پس جب وہ جزاء پر ماخوذ ہوگا تو یہاں اس مسئلہ میں کم از کم اس کو گناہ تو لاحق ہوگا جب کہ بغیر عذر کے اسقاط کرے ابن وہبان نے فرمایا کہ اعذار میں سے ایک عذر یہ ہے کہ حمل کے ظہور کے بعد اس کا دودھ منقطع ہو جائے اور بچے کے باپ میں کسی انا کو اجرت پر رکھنے کی استطاعت نہ ہو اور بچے

کی ہلاکت کا اندیشہ بھی ہو۔ ذخیرہ سے نقل کیا کہ اگر عورت نفخ روح کی مدت سے
پہلے اسقاط کرنا چاہے تو آیا یہ اس کے لیے جائز ہوگا یا نہیں؟ اس مسئلہ میں فقہاء
کا اختلاف ہے۔ فقیہ علی بن موسیٰ فرمایا کرتے تھے کہ یہ مکروہ ہے کیونکہ نطفہ کا
رحم میں واقع ہونے کے بعد مآل وانجام حیات ہے۔ پس اس کے لیے بھی حیات
کا حکم ہوگا جیسا کہ حرم کے شکار کا انڈہ۔ اس طرح کا قول ظہیریہ میں ہے۔
ابن وہبان نے فرمایا پس اسقاط کی اباحت یا تو حالت عذر پر محمول ہے یا اس بات
پر محمول ہے کہ عورت کو قتل کا گناہ نہیں ہوگا۔

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ نفخ روح کی مدت کے بعد جو کہ ایک سو بیس (۱۲۰) دن ہیں اسقاط
بالکل حرام ہے اور اس کا مرتکب قتل کا مرتکب شمار ہوگا۔ اس مدت سے پیشتر یہ فعل بغیر کسی عذر کے
مکروہ ہے اگرچہ اس کا مرتکب قتل نفس میں ماخوذ نہ ہوگا اور اگر کسی عذر سے ہو جیسا کہ طبی اعذار ہوں
یا جیسا کہ ابن وہبان رحمہ اللہ نے عذر کی مثال پیش کی ہے تو مکروہ نہ ہوگا۔ اور جیسا کہ عـزل
کے عنوان کے تحت بیان ہو چکا یہ ضروری ہے کہ ایسے اعذار و اغراض نہ ہوں جو شرعی اصولوں
سے ٹکر کھاتے ہوں۔

یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اسقاط[له] کرانے میں کچھ پیچیدگیاں بھی پیدا
ہو جاتی ہیں جو کہ اگر کسی ماہر فن سے کرایا جائے تو نسبتاً بہت کم ہوتی ہیں۔ منجملہ ان کے اس عمل سے
گزرنے والی تقریباً ہر عورت پر ایک نفسیاتی الجھن سوار ہو جاتی ہے۔ خواہ اسقاط خود بخود ہو گیا ہو یا
عمداً کرایا گیا ہو ایک مرتبہ ہوا ہو یا بار بار ہوتا ہو۔ اگر اولاد کی انتہائی تمنا تھی تب تو عمیق مایوسی ظاہر
ہے۔ لیکن اگر معتد بہ تعداد میں خاندان موجود ہو تو اگرچہ مایوسی آتی نمایاں نہیں ہوتی پھر بھی بنیادی
نسوانی کردار ادا کرنے میں ناکامی کے احساس سے بے چینی عورت کو گھیر لیتی ہے۔ اور جب اسقاط
عمداً کرایا گیا ہو تو احساس جرم عام طور پر پایا جاتا ہے اور یہ احساس ان حالات میں مزید شدید
ہو جاتا ہے جب کہ آئندہ حمل کے قرار میں دشواری پیدا ہو رہی ہو۔

[له] Integrated Obstetrics & Gynecology for Postgraduates by C.G. Dewhurst 1976

Chapter 14